# پارلیمنٹ کا اجتہاد اور تعبیرِ شریعت

*حافظ عبدالرحمٰن مدنی

Muslim states claiming as champions of the enforcement of Shariah are facing a core issue of interpretation of Islamic Shariah through fixation of parliament's role towards Ijtehad. One side of the said issue focuses the sovereignty of the people's parliament and the other side is related to reflection of God's sovereignty in Islamic Shariah through interpretation androle of Mujtahedeenviz-a-viz balancing and adjusting the said two parallel sphere of operations. After the fall of UttomanCaliphate the legislation made by the members of Turkish Grand Parliament of Mustafa Kamal Pasha given the Status of Ijmato their legislation and the parliament was declared as the refined & modern shape of CONSOLIDATED -CALIPHATE of the majority People. While the 2nd concept contrast to 1stconcept is to declare the FIQAH of majority people as law even it is carried out by the parliament (It in being practiced in Iran). Explanation is given that faith, worships and personal laws shall be the domain of FIQH and the social transactions must be the domain of parliament. Consequently third doctrine separates private and public sphere of life hence this can be considered as 3rdconcept.The above said three conceptsgive importance to Ijtehadfor Islamic Shariah through legislation by the parliament. Even it is Executive or Judiciary of the State, the Shariah is only Quran and Sunnah(PBUH) having explanation in form of Ijtehadats through practical demonstrationunder the light of above discussed three concepts,it is clear that forIjtehad, the supremacy lies in parliament while the last view upholds that Ijtehad is the job of Shariah,s Scholars only,eventhey are in Executive or in Judiciary because declaration of Ijtehaddemands a standardized ability,so the power to do Ijtehad cannot be delegated to people at large. 4thconcept is of Gulf States under patronage of Saudi Arabia is that, the Governmental Authorities are bound to Islamic Shariah and their role is only to enforce Shariah through Ijtehad by taking all steps, arrangements and devices to ensure the implementation of Shariah in true spirit and letters under the light of Quran &Sunnah.

Conceptof Gulf States is unknown to Pakistan. Presentlyfirst three conceptsare being experienced in Iran, Afghanistan (under Talban) and in Pakistan. Present article is a brief sketch of the subject while details and comparative sketch will be presented latter.

’پارلیمنٹ کا اجتہاد اور تعبیرِ شریعت‘ کا موضوع ان ممالک میں بڑی اہمیت کا حامل ہے جہاں نفاذِ

* مدیر اعلیٰ، ماہنامہ محدث، لاہور

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

شریعت اور اسلام کو حکومتی سطح پر اپنانے کی کاوشیں ہوتی رہتی ہیں۔اس سلسلے میں جہاں ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا کے تصورات کو زیرِ بحث لایا جاسکتا ہے، وہاں علامہ اقبالؒ کا نکتہ نظر بھی عموماً اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے ورِدِ زبان رہتا ہے۔اس سلسلے میں یہ بحث بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اسلام میں اجتماعی اجتہاد کی کیا حیثیت ہے؟ ایسے ہی کسی مجتہد کا اجتہاد کیا دوسروں کے لئے بھی حجت ہوتا ہے؟ حکمران شریعت کی تعبیر کے بارے میں کیا اختیارات رکھتے ہیں یا ان کا دائرۂ عمل صرف شریعت کے نفاذ کی تدبیر اور انتظامی اُمور تک محدود ہے۔

'پارلیمانی اجتہاد' کے بارے میں مختلف نکتہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں:

## پہلا نظریہ

شریعت کی روشنی میں بالخصوص سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کی روحِ عصر کے مطابق تعبیرِ نو ضروری ہے۔موجودہ ترقی یافتہ دور کے بدلتے تقاضے اجتہادِ نو کی دعوت دیتے ہیں اور موجودہ فرقہ وارانہ کشمکش میں پارلیمنٹ کا ہی ایسا اجتہاد معتبر ہوسکتا ہے۔مصطفیٰ کمال پاشا کے جدید ترکی کی 'گرینڈ نیشنل اسمبلی' نے بھی قرار دیا تھا کہ خلافت و امامت کو فردِ واحد کے بجائے کئی افراد پر مشتمل ادارے یا منتخب اسمبلی کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔ جدید دور میں یہی اجماعِ اُمت ہے۔ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لئے ائمہ سلفؒ کی تقلید کی بجائے پارلیمنٹ کے سرکاری فیصلوں کی پابندی ہونی چاہئے۔ (۱)

## دوسرا نظریہ

قرآن وسنت میں منصوص مسائل کے علاوہ ائمہ سلف نے خلفاے راشدین/ائمہ اہل بیت کے طرزِ عمل سے ماخوذ مکمل نظامِ حیات پیش کردیا ہے۔اب چونکہ مستقل اجتہاد کی اہلیت باقی نہیں رہی، اس لئے انہی مدوّن کتبِ فقہ سے احکام کا استخراج کرکے کام چلانا چاہئے جو شیعہ/سنی مکاتبِ فکر کے ہاں مسلمہ ہیں۔ ریاست کا مسلک اس فقہ کے مطابق ہو جس کے پیروکاروں کی ملک میں اکثریت ہو۔اس معاملہ میں برتری علماے فقہ کو حاصل ہے جبکہ اقلیتی فرقوں کو صرف پرسنل لاز میں آزادی دی جائے۔ (۲)

## تیسرا نظریہ

عقیدہ، عبادات اور عائلی مسائل میں تو ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ پر عمل پیرا ہونے کا اختیار رکھتا ہے۔البتہ معاشرت، معیشت، اور سیاست سے متعلقہ اُمور اسلامی اُصولوں کی روشنی میں پارلیمنٹ طے کرے۔اس

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

سلسلے میں ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ پارلیمنٹ میں علما کو بھی بھرپور نمائندگی حاصل ہو تاکہ بیک وقت مہارتِ علمی کے ساتھ ساتھ عوام کا اعتماد بھی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اس کے لئے اسمبلی کی رکنیت کی شرائط اور بعض دیگر طریقوں کی تجاویز بھی پیش کی جاتی ہیں۔ (۳)

## چوتھا نظریہ

شریعت قرآن وسنت کی شکل میں ہمارے پاس مدوّن صورت میں محفوظ ہے۔ قرآن دستورِ حیات ہے تو سنتِ رسولؐ اس کی حتمی اور ابدی تعبیر (۴)۔ اجتہاد انفرادی ہو یا اجتماعی، شریعت کا حصہ نہیں بلکہ پیش آمدہ مسائل کو منشاے الٰہی کے تابع انجام دینے اور شرع کی حدود کے اندر رکھنے کا طریق کار ہے۔ فتوے اور قضا میں اجتہاد کی اہمیت شریعت کی وسعتوں کی دلیل ہے۔ اس بارے میں مجتہد کی غلطی پر بھی اسے مخلصانہ اجتہاد کا اجر ملے گا لیکن شریعت واحدہ ہونے کے باوجود فقہ واجتہاد مختلف اور متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مسائل کی نوعیت کی تبدیلی کی بنا پر شریعت کے دائمی ہونے کے باوجود علماء کے اجتہاد وفتویٰ کا تغیر ممکن ہے۔ پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اُن کا تعلق اصلاً شریعت کے تعبیر واطلاق سے نہیں ہوتا بلکہ قانون وضع کرنے کا مقصد امکانی صورتوں کی احاطہ گری ہوتا ہے جو تدبیر اور انتظامی اُمور کو منضبط کرنے کا کام ہے یعنی یہ ضابطہ بندی اجتہاد کے دائرہ سے خارج شے ہے، گویا فنی طور پر بھی فقہ کی تشکیل نو اور شریعت کی تقنین (قانون سازی) دو مختلف امر ہیں۔ بلاشبہ شرع میں اضافہ وتبدیلی کی گنجائش خلیفہ یا امام کو بھی نہیں ہے۔ اس طرح انسانوں کو انسانوں کی غلامی میں نہیں دیا جا سکتا۔ (۵)

## تمہیدی نکات

### اجتہاد کا حق صرف علماء دین کو حاصل ہے؟

حکومت ہو یا علما اور عوام، سبھی کتاب وسنت (اسلامی دستور وتعبیر) کے پابند ہیں جو اُن کی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے لئے کامل واکمل موجود ومحفوظ ہیں۔ باقی رہا اجتہاد کا معاملہ تو اجتہاد دراصل شرعی احکام ہی کی تلاش واطلاق کا نام ہے، کوئی نئی شریعت وضع کر لینے کا نام نہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں ضرورتوں کے مطابق وہی لوگ رہنمائی دے سکتے ہیں جو کتاب وسنت کی زبان اور اس کے علوم کے ماہر اور ان کی بھرپور بصیرت رکھتے ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کا علاج ڈاکٹر کرتا ہے، اور عمارت ومشین انجینئر کے ہاتھوں تیار ہوتی ہے، بالکل اسی طرح اجتہاد بھی ماہرین علوم شریعت کا کام ہے، یہ ہر کس وناکس کا کارنامہ نہیں۔ ورنہ جس طرح نیم

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے، بالکل اسی طرح نیم ملا خطرۂ ایمان ہوتا ہے۔ لہٰذا علما کو تھیا کریسی کا طعنہ دے کر اجتہادی ذمہ داریاں عوام کے سپرد کر دینا نرا احمقانہ تصور ہے۔ مقامِ غور ہے کہ اسلام میں جب نہ تو دستور و قانون وضع کرنے کا اختیار ہی علما کے پاس ہے اور نہ ہی ان کی تعبیر (انفرادی ہو یا اجتماعی) دائمی یا عالمگیر ہوتی ہے تو تھیا کریسی (پاپائیت) کیونکر قائم ہوگئی؟

## تدوین (فقہ کی ترتیبِ نو) اور تقنین (دفعہ وار قانون سازی) کا فرق

جہاں تک کتاب وسنت کی بجائے جدید انداز پر دفعہ وار دستور و قانون کی شکل میں شریعت کی تشکیل نو کا مسئلہ ہے جسے اجتماعی اجتہاد بھی کہا جارہا ہے تو تقنین شریعت کی یہ صورت کوئی پختہ اسلامی تصور نہیں ہے بلکہ یہ تصور مغرب سے متاثر جدید ذہن کی پیداوار ہے جو فرانس کی تقلید میں مسلمانوں میں درآمد ہوا ہے۔ ورنہ صحیح تصور یہ ہے کہ شریعت (کتاب اللہ) اور اس کی تعبیر (سنت وحدیث) مکمل ہو کر بہت پہلے ائمہ سلف اُسے مدوّن بھی کر چکے ہیں۔ البتہ جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے تو پہلے فقہا کے اجتہادات اگرچہ فقہ وفتاویٰ کی ضخیم کتابوں کی صورت میں مدوّن موجود ہیں، تاہم جدید طرز پر ان کی اجتماعی تدوین نو مقصود ہو تو یہ کام غلط نہیں بلکہ جدید موسوعاتِ فقهية کی شکل میں اپنی افادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، بشرطیکہ یہ کام صاحب تقویٰ اور علم وبصیرت کے حامل لوگوں کے ہاتھوں ہی انجام پائے۔ لیکن اس وقت اجتماعی اجتہاد کے حوالے سے جس نکتہ پر ہم گفتگو کر رہے ہیں، وہ فقہ و اجتہاد کی تدوین نو کا مسئلہ نہیں بلکہ تدوین کے مغالطہ میں تقنین (شریعت کی قانون سازی) کی ضرورت کا ہے، جسے دراصل جدید عربی اور ذو معنی لفظ 'تشریع' سے پیش کیا جارہا ہے۔ لہٰذا اس موضوع پر گفتگو کے وقت تدوین و تقنین کا فرق ملحوظ رہنا چاہئے یعنی تدوین تو فقہ و اجتہاد کو ترتیب دینے کا نام ہے جس کی تقلید بالخصوص علما اور قضاۃ پر لازمی نہیں ہوتی، جبکہ تقنین اپنے الفاظ میں کسی خاص تعبیر و تدوین شریعت کو قانونی جامہ پہنانے کا نام ہے جو حتمی امر ہو کر ایک طرف شریعت سازی اور خدائی اختیارات میں دخل اندازی کا موجب بنتی ہے تو دوسری طرف اسے اجتہاد بھی نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اجتہاد سے تو شریعت کی وسعتیں حاصل ہوتی ہیں جبکہ تقنین سے فرد ومعاشرہ کو ایک خاص تعبیر شریعت کی تقلید کا پابند قرار دے کر اجتہاد کے دروازے ان پر بند کر دیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی نظر میں اس کا نام اِصر و أغلال ہے جسے ختم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ (٦)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ......﴾ (٧)

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

''یہ (رسول کریمؐ) ان سے وہ بوجھ اور بندشیں دور کرتے ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے ہیں۔''

سعودی عرب کے مشہور مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن بازؒ جدید انداز میں شریعت کی تقنین کے بجائے علما اور قضاۃ کو کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ اور اسی کی حدود میں رہنے پر زور دیتے جس کی تشریح اور تفصیل کے لئے مسلمانوں کا وسیع علمی ورثہ ائمہ اسلاف نے چھوڑا ہے۔ اس کے لئے وہ درج ذیل قرآنی آیات سے استدلال کرتے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (۸)

''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) سے فیصلہ نہیں کرتے، وہی لوگ کافر ہیں۔''

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (۹)

''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) سے فیصلہ نہیں کرتے، وہی لوگ ظالم ہیں۔''

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (۱۰)

''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) سے فیصلہ نہیں کرتے، وہی لوگ فاسق ہیں۔''

علماء قضاۃ کے لئے اُن کا استدلال ما أنزل الله کے لفظ سے بڑا زوردار ہوتا، کیونکہ ما أنزل الله سے مراد صرف وحی ہے جو کتاب وسنت میں ہی منحصر ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی انسانی تعبیر کو ما أنزل الله قرار نہیں دیا جاسکتا۔ گویا فقہ اور شریعت میں فرق ہے۔ اہل علم کے لئے شریعت الٰہی کی پابندی ضروری ہے جبکہ اُن کے لئے فقہی اختلافات میں توسع کی گنجائش ہے۔

## اسلامی شریعت کے دامن میں وسعتیں ہیں، انسانی جکڑ بندیاں نہیں!

سابقہ آیات میں وہی سابقہ شریعتوں جیسی تدوین وتقنین کی جکڑ بندیوں کی طرف اشارہ ہے لیکن ستم تو یہ ہے کہ آج کے متجددین، اُمتِ مسلمہ کو دوبارہ انہی جکڑ بندیوں میں دھکیل دینا چاہتے ہیں جن سے اللہ ربّ العزت نے رسول کریم ﷺ کے ذریعے اپنے بندوں کو نجات دلائی تھی...... طرفہ یہ کہ اس نظریہ کے حامل لوگ جس شدومد سے تقلید کی مخالفت کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ شوروغوغا آرائی کے ساتھ حکومت یا پارلیمنٹ کی تعبیر وتقنین کو اتھارٹی منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ فکرونظر کا یہ کتنا بڑا تضاد ہے؟...... کیا یہ بات سوچنے کی نہیں کہ کسی امام سلف کی تقلید اگر ان کی مہارتِ علمی کے باوجود لازمی نہیں تو آج کی پارلیمنٹ بغیر کسی ضمانت صحت اور دلیل کے کیونکر اتھارٹی بن سکتی ہے؟

بعض حضرات نے علامہ اقبالؒ کے حوالہ سے ترکی میں 'گرینڈ نیشنل اسمبلی' کے فیصلوں کو بھی 'شرعی اجماع'

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کے مساوی قرار دیا ہے کہ خلافت یا امامت کوئی افراد پر مشتمل ادارے یا منتخب اسمبلی کے سپرد کیا جا سکتا ہے اور اسی بنا پر پارلیمنٹ کو خلیفہ یا امام کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ خلیفہ یا امام کو یہ مقام کہاں حاصل ہے کہ 'تعبیرنو' کے نام پر وہ شریعت کی تقنین کرے؟ اسلامی تاریخ میں یہ عجمی تصور سب سے پہلے خلیفہ منصور کے عجمی ادیب **عبد اللہ ابن المقفع** نے پیش کیا، جس کا ذکر اس کے ایک رسالہ مشمولہ **جمهرة رسائل العرب** میں بھی ملتا ہے۔ لیکن یہ عجمی فکر امام مالکؒ وغیرہ ائمہ دینؒ کی پُر زور مخالفت کی بنا پر نہ صرف پنپ نہ سکا بلکہ ابن المقفع کے ایسے ہی لادین افکار اسے ارتداد تک لے گئے اور انہی کی پاداش میں وہ قتل کر دیا گیا۔

## کوئی عظیم امام بھی اپنے فہم شریعت کو عائد کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا!

کلیلہ ودمنہ کے مصنف ابن المقفع کے اس تصور کی وجہ بھی وہی تھی، جو آج کل کے متجددین فقہی اختلافات کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں۔ اس نے خلیفہ منصور سے یہ کہا تھا کہ مفتی حضرات کے اختلافِ فتاویٰ اور قاضیوں کے متنوع فیصلوں کی بنا پر فکری انتشار بڑھ رہا ہے، لہٰذا بہتر ہوگا کہ خلیفہ ان تمام مختلف آرا کو جمع کر کے اُن سے متعلق ایک ایسی حتمی رائے متعین کر دے، جس کے سب مفتی اور قاضی حضرات پابند ہوں۔ لیکن امام مالکؒ نے اس فکر کی بھرپور مخالفت کی اور تادمِ آخر کرتے رہے۔(۱۱) ان کا مشہور مقولہ ہے کہ

> "ما من أحد إلا وهو مأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم"(۱۲)

> "رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر کسی کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر رسول اللہؐ کی بات صرف قبول ہی کی جائے گی، ردّ ہرگز نہیں کی جائے گی۔"

آخری مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے اسی تجویز کو امام مالکؒ کے سامنے ایک دوسری صورت میں پیش کیا کہ کیوں نہ امام مالکؒ کی موطأ کو کعبہ میں لٹکا کر جملہ دیار وامصار کے مجتہدین کو اس کا پابند بنا دیا جائے؟ لیکن آپؒ نے اس صورت کو بھی قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ موطا ساری شریعت کا مجموعہ نہیں جبکہ صحابہؓ وتابعینؒ کے مختلف علاقوں میں پھیل جانے سے احادیث لوگوں کے پاس پہنچ چکی ہیں اور وہ ان پر عمل کر رہے ہیں، لہٰذا اصل میں وحی کی اتباع ہی ضروری ہے خواہ وہ موطأ میں مندرج ہو یا خارج موطأ (۱۳)، یوں یہ عجمی فکر ایک لمبے عرصہ تک دوبارہ سر نہ اُٹھا سکا۔

امام ابوحنیفہؒ تو اس سے بھی بڑھ کر محتاط تھے۔ قاضی کا اجتہاد اگرچہ شریعت کی ایک خاص تعبیر ہوتا ہے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اور وہ غلطی کے امکان کے باوجود لاگو بھی ہوتا ہے، تاہم امام ابوحنیفہؒ نے منصبِ قضا کو قبول کرنے سے صرف اس خطرے کی بنا پر انکار کر دیا کہ قضا و قانون کے میدان میں مبادا اُن پر دباؤ ڈالا جائے اور حکومتِ وقت انہیں اپنی خواہشات کے سامنے جھکنے پر مجبور کرے۔(۱۴)

اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے عقیدہ وعمل کے بعض بظاہر معمولی مسائل میں حکومت کی فکری آمریت کو تسلیم نہ کیا۔ اس جرم میں اُنہوں نے ذلت کو تو بخوشی قبول کر لیا، لیکن دین وشریعت پر آنچ نہ آنے دی۔ ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ اقتدارِ حکومت اور شریعت کی اتھارٹی دو علیحدہ امر ہیں۔ حکومتِ وقت چونکہ اپنی 'تعبیر شریعت' پر مجبور کر کے اپنے اختیارات سے تجاوز کر رہی ہے، لہٰذا خلافت تسلیم ہونے کے باوجود تعبیر شریعت کی یہ آمریت ہرگز قبول نہیں کی جا سکتی۔ گویا ائمہ سلف نے سیاسی مسائل میں بھی آمریت کو منظور نہ کیا اور اس کی خاطر اپنی جان اور عزت بھی داؤ پر لگا دی۔(۱۵)

بعض دانشور علامہ اقبالؒ کی آرا کو ترجیح دیتے ہوئے جب ائمہ اسلاف پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ملوکیت کی حمایت کے لئے فقہی موشگافیاں کرتے رہے، اس لئے ائمہ اسلاف کی پیروی کی بجائے جمہوری دور میں آزاد عوامی آرا کا احترام کیا جائے گا تو ان کی رائے پر تعجب ہوتا ہے۔ کیا مذکورہ بالا قربانیوں کے بعد اُمت کے محسنوں کو دورِ ملوکیت کا پروردہ کہا جا سکتا یا ان کو آمریت کی ہم نوائی کا طعنہ دیا جا سکتا ہے؟

اس بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ان ائمہ سلف کی آرا اس بنا پر دین میں لازمی حجت تسلیم نہیں کی جا سکتیں کہ وہ انفرادی حیثیت رکھتی ہیں تو کیا علامہ اقبالؒ کی رائے بھی انفرادی رائے نہیں، اس رائے پر کون سی اسمبلی کا اجماع ہو چکا ہے؟ الغرض اگر ائمہ سلفؒ کی تقلید بُری شے ہے تو یہی شے علامہ اقبالؒ کا نام آ جانے سے قابل تعریف کیونکر ہو جائے گی؟ نیز علامہ اقبال، جو بذاتِ خود تقلید کے بجائے اجتہاد پر زور دیتے ہیں، کیسے اپنی تقلید پر راضی ہو سکتے تھے؟

## اس بحث کے بنیادی سوالات

مذکورہ بالا تمہیدی نکات کے بعد اس موضوع کے نمایاں سوالات حسبِ ذیل ہیں، جن پر بالترتیب تفصیل پیش کی جائے گی:

① پارلیمانی اجتہاد سے مقصود کیا پہلی مدوّن فقہوں پر کسی نئی تدوین کا اضافہ ہے یا کسی نئی فقہ کو قانونی حیثیت دے کر لوگوں کو اس کا پابند بنانا؟ جسے عربی میں تقنین کہتے ہیں۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

② کیا انفرادی تدوین سے اجتماعی تدوین کا تقابل کرتے ہوئے تقنین شخصی سے ادارہ جاتی تقنین کی طرف ارتقا یا بالفاظِ دیگر مصطفیٰ کمال پاشا کے نئے ترکی کے اجتہاد کی بناپر خلافت کے بجائے منتخب اسمبلی کی اتھارٹی ثابت کی جاسکتی ہے؟

③ فقہی تقلید اور اولی الامر کے احکامات کی پابندی میں کیا فرق ہے؟

④ پارلیمنٹ میں مختلف فقہی نمائندوں کی حیثیت یا ماہرین قانون و شریعت کی مشاورتی کونسل کے کیا اختیارات ہونے چاہئیں؟

اپنے ابتدائی تبصرے میں ان سوالات کے بارے میں بعض تصورات زیر بحث آچکے ہیں تاہم تاریخی تسلسل سے موجودہ اسلامی دنیا میں پائے جانے والے افکار کا مثالوں کے ساتھ تجزیہ بھی مناسب رہے گا، تاکہ بات مزید واضح ہوجائے۔

## (۱) تدوین فقہ

پہلا مسئلہ تدوین فقہ کا ہے۔ **مجلة الأحكام العدلية** (۱۸۷۶ء) کے بعد سے لے کر اب تک مختلف اسلامی ملکوں میں اس سلسلہ کے متعدد مجموعے تیار کئے گئے جن میں سے اکثر تو اپنے اپنے ملک کے لئے تھے، لیکن بعض اجتماعی کوششیں ایسی بھی ہوئیں کہ جن کا مطمح نظر پوری دنیائے اسلام کے لئے دستور العمل تیار کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں مصر کے ماضی قریب میں اہل علم کی اٹھارہ رکنی کمیٹی کے تیار کردہ ایک دستوری خاکہ کی مثال دی جاسکتی ہے جو کمیٹی کے ایک رکن ڈاکٹر مصطفی کمال وصفی کی اس موضوع پر اہم تالیف **مصنفة النظم الاسلامية** کے آخر میں مطبوع ہے۔(۱۶)

اسی طرح انفرادی طور پر بھی بعض مفکرین نے اس موضوع پر اپنی تجاویز تحریری شکل میں پیش کی ہیں جو کتابی شکل میں بھی طبع شدہ موجود ہیں، جبکہ اجتماعی سطح پر خاص اپنے ملک کی حد تک جن لوگوں نے یہ کوششیں کی ہیں۔ ان میں سے قابل ذکر درج ذیل ہیں:

☆ جامعہ ازہر وغیرہ کی علمی مجالس کی طرف سے مرتب قانونِ شریعت کے علاوہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ایک سکیم کے مطابق مصر میں فقہی انسائیکلو پیڈیا کی تدوین ہوئی۔ (ایسے بہت سے مسوّداتِ قانون کا اُردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے)

☆ اُردن میں شریعت کے سول لاء کو ۱۵ سال میں مدوّن کیا گیا۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

☆ یمن میں مجلة الأحکام العدلية کی طرز پر ایک مجموعہ قوانین شریعت تیار کیا گیا۔

☆ جمهورية الليبية الشعبية کے مسوداتِ قوانین "نظام التجريم و العقاب"

☆ متحدہ عرب امارات (ابوظہبی) میں اسی طرح کا ایک شرعی مجموعہ قوانین رئیس القضاۃ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک کی زیرنگرانی تیار ہوتا رہا ہے، جس کی پندرہ، سولہ جلدوں کا اسّی کی دہائی میں راقم بذاتِ خود مشاہدہ کر چکا ہے۔

☆ کویت کی وزارتِ اوقاف کا تیار کردہ ۴۵ جلدوں میں مایہ ناز فقہی انسائیکلو پیڈیا

☆ پاکستان کی مشاورتی 'اسلامی نظریاتی کونسل' بھی تقریباً نصف صدی سے یہی کام کر رہی ہے۔

☆ ترکی میں سقوطِ خلافت سے قبل مصر کو ایسی کوششوں میں سبقت حاصل ہے۔ چنانچہ مصر نے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۰ء تک ایک مجموعہ تیار کر لیا تھا۔ اگرچہ منظرِ عام پر آنے کے بعد وہ اختلافات کا اس قدر شکار ہوا کہ اسے سرد خانہ میں ڈال دیا گیا۔

ہماری نظر میں مذکورہ بالا مساعی تدوین فقہ جدید کی حد تک قابل قدر ہیں لیکن اگر مقصد 'تشریع' یعنی شریعت سازی ہو تو یہ تقنین اس معیار کی ہرگز نہیں کہ اُنہیں تغیر و تبدل سے محفوظ رکھ کر حتمی قانون کی حیثیت دی جاسکے۔ اس کی ایک ادنیٰ سی مثال پاکستان میں جنرل محمد ضیاء الحق کی نفاذِ شریعت کی کوششوں کے دوران یوں سامنے آئی کہ جب جنرل محمد ضیاء الحق نے مسلمانوں کے لئے نظامِ زکوٰۃ کا اعلان کیا تو فقہ جعفری والے مخالفت پر تل گئے۔ اس پر جنرل صاحب کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ ہمارا یہ اعلان کوئی حکمِ الٰہی تو نہ تھا، جو بدلا نہ جاسکے۔ چنانچہ اس آرڈی نینس میں تبدیلی کر کے شیعہ حضرات کو نظامِ زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اب سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنے ایک فیصلہ کے ذریعہ ملک میں مروّج تمام فقہوں کے حاملین کو بھی ایسے ڈیکلریشن کا اختیار دے دیا ہے۔ حالانکہ سوچنے کی بات ہے، اگر یہ حکمِ الٰہی نہ تھا تو پھر کس اختیار کی بنا پر سنی مسلمانوں پر نظامِ زکوٰۃ نافذ کیا گیا؟ حتیٰ کہ وہ بے چارے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کی کٹوتی کے علاوہ مروّجہ (ٹیکس) بھی ادا کرنے پر مجبور ہیں۔

انتہائی سیدھی اور آسان سی بات یہ ہے کہ انسان شریعت سازی کا نہ تو مکلّف ہے اور نہ ہی یہ اس کے بس کا روگ ہے بلکہ تشریع کا حق صرف اور صرف اللہ ربّ العزت کو حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے ذریعے شریعت نازل فرمائی ہے، جو مرتب و مدوّن موجود ہے اور جس کی حفاظتِ ابدی کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ چنانچہ یہ بغیر کسی تغیر و تبدل اور کمی بیشی کے تا قیامت نافذ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہے۔ باقی رہے قرآن وحدیث کے علاوہ فقہ اور قانونِ شریعت کے جدید مجموعے تو وہ سب تدوینی مساعی کے علاوہ وحی سے ورے انسانی اجتہادات ہوسکتے ہیں جو مختلف بھی ہوتے ہیں اور متعدد بھی۔ اسی طرح بہت سے اجتہادات، معاملہ کی نوعیت یا حالات کی تبدیلی سے بدل بھی جاتے ہیں۔ چنانچہ اُن کی حیثیت مستقل نہیں ہوسکتی۔ پس فقہ واجتہاد پر تشریع کا اطلاق گویا مداہنت ہے، کیونکہ شریعت مکمل ہوچکی ہے اور تشریع کا یہ اختیار خلفاے راشدینؓ تک کو بھی نہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مہر کے تعین کے بارے میں ایک عورت حضرت عمرؓ کو برسرِ عام ٹوکتی ہے اور آپؓ بُرا منانے کی بجائے اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل ہم تیسرے نکتے کے ذیل میں بیان کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قانونِ شریعت کے نام پر کوئی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کوشش فقہ واجتہاد کی قبیل سے ہوتی ہے، جبکہ اجتہاد سے مراد حکم الٰہی کی تلاش اور اس کا اطلاق ہے، لہٰذا وہ ایک اعتبار سے مجتہد کی اپنی ذات کے لئے، یا قاضی کے زیرِ سماعت قضیے کے فیصلے کی حیثیت سے فریقین کے لئے تو واجب التعمیل ہوتا ہے، تاہم وہ شریعت نہیں ہوتا۔ شریعت صرف وحی الٰہی کا نام ہے، جبکہ اجتہاد، فہمِ وحی کی قسم ہے، فی نفسہٖ وحی نہیں۔ پھر تدوین تو صرف ایک فنی ترتیب ہے، جسے خالص فنی اعتبار سے اجتہاد کہنا بھی درست نہ ہوگا......!!

حاصل یہ ہے کہ اجتہاد، تدوین اور تقنین الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور ان کو باہم خلط ملط کرنے سے موضوعِ زیرِ بحث اختلافی بن رہا ہے، ورنہ اصل مسئلہ صرف اس قدر ہے کہ وحی (شریعت) کے علاوہ اہل علم کے لئے کسی قدیم یا جدید اجتہاد کی تقلید ضروری ہے یا نہیں؟ اور علیٰ وجہ البصیرت اس کا جواب نفی میں ہے......لہٰذا ائمہ سلف کی تقلید کی مخالفت کرنے والوں کو یہ زیبا نہیں کہ وہ جدید انفرادی یا اجتماعی اجتہاد کی تقلید کی دعوت دیں۔

جہاں تک اسلامی قانون کی تدوین کا تعلق ہے، اوّل تو یہ چیز ہی بنیادی طور پر غلط ہے کہ کتاب وسنت جیسے 'دستورِ زندگی' کے علاوہ کسی دوسرے مدوّن قانون کو اسلامی ریاست کا مستقل دستور قانون قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ ایسے کسی بھی مدوّن قانون کی حیثیت ذیلی یا مددگار قانون کی ہوگی، کیونکہ مستقل حیثیت صرف کتاب وسنت کو ہی حاصل ہے جو ابدی دستور وقانون ہے، اسی لیے اس کی تدوین بھی ایسے انداز کی ہے جو زندگی کی فطری رہنمائی سے مناسب ہے۔ باقی قانون خواہ انسانی ذہنوں کی اختراع ہوں یا کتاب وسنت سے انسانی سوچوں کا حاصل، وہ اپنی طرز کے معاشروں میں مقامی اور ہنگامی رہنما قانون تو قرار دیے جاسکتے ہیں، لیکن اسلامی ریاست جیسے مستقل ادارے کا پائیدار قانون نہیں بن سکتے۔

تاہم کسی وقتی ضرورت کے پیش نظر 'تدوین' کو بڑی اہمیت بھی دے دی جائے تو الحمدللہ اس سلسلہ میں

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کسی سر دردی کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ہاں محدثانہ اور مخصوص فقیہانہ انداز کے اتنے مدوّن مجموعہ جات موجود ہیں کہ ان کو گننے اور صرف تعارف کرانے کے لیے کئی جلدوں پر مشتمل کتابیں تیار کی جاسکتی ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ ایسے بیش قیمت تذکرے دنیا بھر کی مشہور زبانوں میں بھی موجود ہیں۔ فقہ و قانون کے تقابلی مطالعہ کی کتب تو جدید معاشروں میں نئے پیدا شدہ مسائل پر بصیرت افروز رہنمائی کا کام بھی دے رہی ہیں اور نجی سطح پر علما اور مفتی حضرات انہی سے درپیش مسائل کا جواب دیتے بھی رہتے ہیں۔ آخر نجی طور پر یہ کام پہلے چل رہا ہے تو سرکاری سطح پر کیوں نہیں چل سکتا؟ ہمارے ہاں اس مقصد کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت جیسے آئینی ادارے موجود ہیں جن سے مذکورہ مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ذیلی اور مددگار قانون میں اگر اتفاقِ رائے ممکن ہو تو یہ الہامی قانون (کتاب وسنت) کے قائم مقام ہوگا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ براہِ راست خدائی رہنمائی (نبوت) کے سوا انسانی سوچ پہلو دار ہوتی ہے۔ اس میں اتنی جامعیت اور ابدیت نہیں ہوسکتی جو خدائی قانون کی جگہ لے سکے۔ بالفرض اگر ایسا پہلو دار قانون مستقل دستور وقانون قرار دے دیا جائے تو یہ ترقی پذیر معاشرے کے لیے پاؤں کی زنجیر ثابت ہوگا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کے علاوہ کوئی مدوّن قانون متفقہ بنایا ہی نہیں جاسکتا۔ کتاب وسنت کی تعبیر میں اختلاف کے کچھ پہلو واقعی ضرر رساں ہیں، لیکن اس اختلاف کا ایک روشن پہلو قانون کی لچک دار اور ارتقا پذیر شکل کو باقی رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس لیے بیک وقت یہ دو فائدوں کا حامل ہے؛ درپیش مسئلہ میں 'فتویٰ' کی حیثیت سے اور آئندہ کے مسائل میں قانونی رہنما کی حیثیت سے۔ پھر جب مستقل قانونی حیثیت سے کتاب اللہ کے لیے سنتِ رسول اللہ ﷺ کی صورت میں ایک دائمی تعبیر اور سیرت الرسول ﷺ کا اُسوۂ حسنہ (عملی نمونہ) کی صورت میں موجود ہے تو اس ابدی تعبیر کو اپنانے کے دوران جزوی مسائل میں اجتہادات کا جو اختلاف رونما ہوتا ہے، اس کا ضرر رساں پہلو مزید کمزور پڑ جاتا ہے۔

چوتھی بات جس کا تعلق اس بارے میں تاریخی تجزیے سے ہے، یہ ہے کہ مسلمانوں کی چودہ صد سالہ تاریخ میں عموماً کتاب وسنت ہی اسلامی ریاستوں کا دستور وقانون رہا ہے۔ اگر کبھی جزئیات میں کثرتِ اختلافِ آرا یا بعض سازشوں کے سدباب کے لیے کسی مدوّن کتاب کو دستورِ مملکت بنانے کا احساس ہوا بھی تو اختلافِ اُمت نے اسے گوارا نہ کیا جیسا کہ اس کی تفصیلات پیچھے گزر چکی ہیں۔

البتہ اسلامی حکومتوں کے زوال کے آخری دور میں مغل تاجدار اورنگ زیب عالمگیرؒ نے علما کی ایک جماعت کے ترتیب دادہ مجموعہ کو قانونی صورت میں اختیار کیا جو 'فتاویٰ عالمگیری' کے نام سے معروف ہے۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

لیکن 'فتاویٰ' کا لفظ خود وضاحت کر رہا ہے کہ اس کی حیثیت بھی 'معاون قانون' کی تھی کیونکہ فتاویٰ ان شرعی آرا کو کہتے ہیں جن سے ایک حاکم یا قاضی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے میں مدد لیتا ہے۔ اس سے قبل شرعی رائے کا یہی کام حکومت کا شعبۂ افتا کیا کرتا تھا۔ آج کل اس کی مثال ہماری عدالتوں میں قانونی معاونین کی ہے۔ ایسے ہی ہمارے ہاں اعلیٰ عدالتوں کے فیصلہ جات جو مختلف مجموعوں PLJ, PLD وغیرہ ناموں سے برابر چھپتے رہتے ہیں، ان کے جوہر قانونی نکات (Citations) قانون کا حصہ شمار ہوتے ہیں، لیکن اسلامی شریعت میں اجتہاد شریعت کے اطلاق و وسعت میں تو بھرپور کام آتا ہے، بذاتہ شریعت کا حصہ نہیں ہوتا۔ یقیناً وحی اور انسانی کاوشوں میں فرق ہے چنانچہ اجتماعی اجتہاد بھی کتاب وسنت سے بہرحال فروتر چیز ہے۔

تاہم اُنیسویں صدی سے یورپ کی تقلید نے مسلمانوں کے اندر یہ احساس اُجاگر کیا کہ وضعی قانون کی طرح دفعہ وار اسلامی قانون کی تدوین کرنی چاہیے۔ چنانچہ سب سے پہلا مدوّن مجموعہ ۱۸۷۶ء میں خلافت عثمانیہ ترکی نے **مجـلة الأحـكام العدلية** کے نام سے اپنایا جو صرف مروّجہ دیوانی قانون کا ایک حصہ ہے۔ باقی رہا فوجداری قانون کے علاوہ مسلمانوں کا اسلام کی بنیاد پر عائلی اور شخصی قانون تو اگرچہ اس کے لیے بیسویں صدی عیسوی میں مختلف مجموعہ جات تیار کرنے کی مثالیں ملتی ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سی مسلم تو کیا غیر مسلم ریاستوں میں بھی جن میں غیر منقسم ہندو پاک کا ڈھائی سو سالہ دور بھی شامل ہے، میں غیر مدوّن عائلی قانون نہ صرف نافذ رہا بلکہ اس کے مطابق نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم ہندو اور انگریز وکلا بھی قانونی رہنمائی مہیا کرتے رہے اور غیر مسلم جج صاحبان بھی فیصلے کرتے رہے۔

واضح رہے کہ اسلام کے فوجداری قانونی نظام کے اہم حصہ سزاؤں (تعزیرات) کے لیے لیبیا، سوڈان اور پاکستان میں اسلامی حدود و تعزیرات اور قصاص و دیت وغیرہ کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں سرکاری سطح پر کسی دفعہ وار مدوّن مجموعہ قانون کی مثال نہیں ملتی۔ تقریباً پون صدی سے سعودی عرب شریعت کے نظامِ تعزیرات کو ہی اپنا کر دنیا بھر کے ترقی یافتہ معاشروں کو یہ چیلنج پیش کر رہا ہے کہ امن و امان صرف اسلامی شریعت کی براہِ راست عمل داری سے ہی ممکن ہے۔ سعودی حکومت کو تو اقوام متحدہ کا رکن بننے کے لیے بھی کسی 'مسودہ قانون' کی ضرورت نہ تھی بلکہ اس نے وہاں بھی چند سال قبل تک صرف 'قرآنِ کریم' کو اپنے 'قانونِ مملکت' کی حیثیت سے پیش کر رکھا تھا۔ البتہ بیس سال قبل سعودی عرب نے دیگر دساتیر کی طرح اپنا بنیادی دستوری ڈھانچہ (۱۷) تیار کیا ہے جس کے تحت مجلس شوریٰ کی تشکیل بھی ہوئی۔ چھ سال قبل وہاں بلدیاتی سطح پر انتخابات بھی منعقد ہوئے ہیں۔ تجربہ ہی یہ بتائے گا کہ مستقبل کا سعودی عرب ماضی سے کتنا بہتر

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ثابت ہوتا ہے؟

اگرچہ تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین کا ایسا تجربہ ماضی میں عموماً ناکام ثابت ہوا ہے بلکہ کئی کوششوں کا انجام ہی عبرتناک ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے مجلّہ عدلیہ کی شکل پر مصر میں مختلف مکاتبِ فکر سے متعلق علما اور ماہرین قانون کی چھ سالہ مشترکہ مساعی سے ۱۹۲۰ء میں ایک مجموعہ قانون تیار ہوا تھا، لیکن اس کا جو حشر ہوا، وہ بڑا المناک ہے۔ یہ مجموعہ اتنی تنقید کا شکار ہوا کہ شاہِ مصر نے اسے سرد خانہ میں ڈال کر ملک میں فرانسیسی قانون نافذ کر دیا۔ پاکستان میں اسلامی حدود اور قصاص و دیت کی تقنین بھی ہمارے سامنے ہے جو ناقص ہونے کے باوصف لادین حلقوں کو اسلامی شریعت کے خلاف اعتراضات کے مواقع مہیا کرتی رہتی ہے۔

## (۲) اجتماعی اجتہاد بصورتِ پارلیمانی اجتہاد

دوسرا نکتہ، انفرادی اور اجتماعی تدوین کے تقابل اور پھر انفرادی اجتہاد سے پارلیمانی اجتہاد کے ارتقا کا ہے۔ اگرچہ بعض پہلوؤں سے اجتماعی اجتہاد جدید دور میں اہم تر نظر آتا ہے کہ اس کی بدولت قرآن وسنت کی بصیرت رکھنے والوں کے علاوہ معاشرتی علوم کے حامل اور جدید قانون کے ماہرین بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ تاہم اندریں صورت اس خطرہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے روحِ اجتہاد بُری طرح مجروح بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اجتہاد کا اصل مقصود 'منشائے الٰہی کی تلاش' ہوتا ہے۔ جبکہ اجتماعی فیصلوں میں مفاہمت اور رواداری پر جس طرح زور دیا جاتا ہے، اس سے بسا اوقات منشائے الٰہی پر لحاظ و احترام کی اقدار اثر انداز ہوتی ہیں۔

اسی نکتہ کے ضمن میں دوسری بات یہ ملحوظ رہنی چاہئے کہ اجتماعی اجتہاد کی صرف وہ قسم حجت ہے جو 'اجماع' کہلاتی ہے۔ اگرچہ اجماع کی تعریف سے لے کر اُس کے انعقاد اور اس کی حجیت تک جملہ پہلو شدید اختلافی ہیں، تاہم یہ بات اجماع کی حجیت تسلیم کرنے والوں کے ہاں متفقہ ہے کہ اجماع صرف کل اُمت کا معتبر ہے کسی خاص علاقے کا نہیں۔ (واضح رہے کہ مالکیہ اگر اہل مدینہ کے اجماع کی حجیت کو تسلیم کرتے ہیں تو اس کی وجوہ بالکل دوسری ہیں) جبکہ ہمارے زیر بحث جو اجتہاد ہے وہ ایک خاص علاقے کی پارلیمنٹ کا ہے، جسے نہ اجماعِ اُمتِ مسلمہ کہا جا سکتا ہے اور نہ اس علاقے کے جملہ مجتہدین ہی اس میں جمع ہوتے ہیں، حالانکہ تمام مجتہدین کی اجماع میں شرکت لازمی ہوتی ہے۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اجتماعی اجتہاد؛ جسے اجماع کہتے ہیں؛ کسی خاص ادارے کا فیصلہ یا رائے نہیں ہوتی، جبکہ پارلیمنٹ ایک ادارہ ہے جس کا زیادہ سے زیادہ تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ حکومت شخصی کی بجائے ادارہ کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ پھر حکومت شخصی (خلافت) ہو یا صدارتی اور پارلیمانی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

جمہوریت پہلی صورت میں یہ نیابتِ رسولؐ ہوتی ہے اور دوسری صورت (پارلیمانی یا صدارتی جمہوریت) میں بھی نمائندگی، دعوے کی حد تک بھی، اقتدار کی ہوتی ہے، منشا کی نہیں! جیسا کہ اسمبلی کے بارے میں روسو کا مشہور قول ہے کہ

"Power can be transmitted but not the will"(۱۸)

''(نمائندگانِ جمہور کو ایک محدود مدت کے لئے) اقتدار منتقل ہوتا ہے، منشا و مرضی منتقل نہیں ہوتی!''

پس اس نکتہ کا بھی حاصل یہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی اجتہاد اور شے ہے، اور حکومت کا شخصی و جمہوری ہونا اور شے۔ رہا یہ سوال کہ خلافت اور جمہوریت جمع ہو سکتی ہیں؟ یعنی فرد کی بجائے منتخب نمائندگان کی جماعت خلافت کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے؟ تو اس کا زیادہ تر تعلق طرزِ حکومت سے ہے جو ایک الگ موضوع ہے۔ تاہم شریعت واجتہاد کے بارے میں خلافت کے اختیارات پر ہم اگلے نکتے میں گفتگو کرتے ہیں۔

## (۳) اولی الامر کے احکامات کی پابندی

اس موضوع پر فیصلہ کن نکتہ یہی تیسرا ہے کہ کیا اولی الامر کے احکامات کی پابندی کو تقلید کہا جا سکتا ہے؟ دراصل پارلیمنٹ کی طرف سے شریعت کی تعبیر یا شریعت کی قانون سازی اور حکومت وعوام پر اس کی لازمی حیثیت ہی وہ بنیاد ہے کہ یہ اختیارات اگر خلیفہ یا امام کو حاصل ہیں تو جدید زمانہ میں پارلیمنٹ کو اس کے قائم مقام ہو کر یہی اختیارات مل سکتے ہیں۔ اس لئے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ خلیفہ کی اطاعت اور فقہ واجتہاد کا فرق کیا ہے؟...... قرآن کریم میں اولی الامر کی اطاعت کے بارے میں یہ آیت معروف ہے:

﴿يـاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا﴾(۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبانِ اختیار کی بھی...... پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہمی نزاع ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ اور رسولؐ کی طرف لے جاؤ، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت اچھا اور انجام کے اعتبار سے بہت بہتر ہے۔''

اس آیت میں اللہ اور رسول ﷺ کی مستقل اطاعت کے علاوہ اولی الامر کے بارے میں دو باتوں کا

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ذکر ہوا ہے؛ ایک ان کی اطاعت، اور دوسرے ان سے نزاع کے موقع پر فیصلہ کے لئے اللہ اور رسولؐ (یعنی کتاب وسنت) کی طرف رجوع ......مقام غور ہے کہ اگر نزاع واختلاف میں بھی اولی الامر کی اطاعت فرض ہوتی تو کتاب وسنت کی طرف رجوع کا کچھ معنی ہی باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اُمت میں خلفا کے ساتھ مجتہدین کے جتنے بھی اختلافات ہوئے ہیں، ان میں خلفا کو محض ان کے خلیفہ ہونے کی بنا پر کبھی بھی برحق قرار نہیں دیا گیا۔ بنو ہاشم کے بنو اُمیہ سے سیاسی اختلافات سے لے کر ائمہ اربعہؒ سمیت فقہاے سلف کے عباسی خلفا سے متعدد اجتہادی مسائل میں اختلافات، تاریخ کا ایک اہم باب اور ائمہ کے اعلیٰ کردار کا حصہ ہیں۔ چنانچہ اگر خلیفہ کے اجتہاد کی بہرحال پابندی کا کوئی سوال موجود ہوتا تو یہ صاحبِ تقویٰ بزرگ کبھی اس سے دست کش نہ ہوتے...... پھر 'خلق قرآن' کا مسئلہ ہو یا 'طلاق مکرہ' کا، ان میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کو اذیت ناک سزاؤں اور ناقابل بیان تذلیل وتضحیک کا نشانہ بننے کی کیا ضرورت تھی؟ (۲۰) اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کو قاضی القضاۃ کے منصب کو قبول کرنے سے انکار کر کے جیل جانے اور اسی راہِ حق میں جان نذر کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی؟ (۲۱) جبکہ خلیفہ کا اجتہاد تو شرعی حیثیت رکھتا ہے اور قاضی القضاۃ کو رضاے الٰہی کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو راضی کرنے کا دوہرا فائدہ پہنچ سکتا تھا لیکن امام صاحب نے یہ منصب قبول نہ کیا۔

دراصل اولی الامر کے اجتہاد کی پابندی کا یہ مغالطہ تعبیرِ شریعت اور انتظامی اختیارات کو خلط ملط کر کے پیدا کیا جاتا ہے، حالانکہ جہاں تک تعبیرِ شریعت کا مسئلہ ہے، یہ خالصتاً رسول کریم ﷺ کا منصب تھا جو پورا ہو چکا اور جہاں تک ان اجتہادی مسائل کا تعلق ہے جو شریعت (کتاب اللہ) اور اس کی ابدی متعین تعبیر (سنتِ رسولؐ اللہ) کی تکمیل کے بعد فقہا یا خلفا کو پیش آئے یا آسکتے ہیں تو ان کی نوعیتیں دو ہیں۔ ایک ان کی منصبی یا ذاتی حیثیت اور دوسری انتظامی اور تدبیری......اوّلین حیثیت سے خلفا کو جو مسائل پیش آتے ہیں، ان کا تعلق حکومت سے ہو یا رعایا سے، اگر خلیفہ خود عالم دین ہے تو اپنے اجتہاد سے، ورنہ کسی معتمد عالم دین کے اجتہاد سے شریعت کا علم حاصل کر کے انہیں انجام دیتا ہے جبکہ خلیفہ کی دوسری انتظامی اور تدبیری امور کی حیثیت وہ ہے کہ جس کے بارے میں قرآن کریم اطاعتِ اولی الامر کا (مشروط) حکم دیتا ہے لیکن کبھی یہ ہر دو نوع کے اُمور باہم یوں خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان کی بنا پر اطاعتِ امیر اور تقلیدِ فقہی کے ایک ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے، جبکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔

الغرض خلیفہ اگر عالم دین نہ ہو تو علماءِ مجتہدین کی تقلید کو واجب قرار دینے والوں کے نزدیک اسے مجتہدین کی تقلید کرنی ہوگی جبکہ مخالفین تقلید کے نزدیک اسے اہل علم سے مسئلہ سمجھ کر معاملہ کو حل کرنا ہوگا۔ ان

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

دونوں صورتوں میں خلیفہ خود اتھارٹی قرار نہیں پاتا اور نہ ہی شرعی مسائل میں خلیفہ کو صرف اس کے خلیفہ ہونے کی بنا پر کوئی اتھارٹی قرار دینے کا قائل ہے بلکہ اسے بہرصورت شریعت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی، خواہ وہ دوسروں سے سوال ہی کرے ...... قرآن کریم میں ہے:

﴿فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(۲۲)

''اگر تمہیں خود علم نہ ہو تو اہل معرفت وحافظہ سے پوچھ لو۔''

چنانچہ اس سلسلہ میں جیسے اہل علم سے پوچھنے کی بات ہے، ویسے ہی اہل علم سے تبادلہ خیالات کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾(۲۳) ''ہر علم والے سے اوپر کوئی دوسرا عالم ہے۔'' کی رو سے علم کی بے شمار قسمیں اور جہتیں ہیں، لہٰذا مذاکراتِ علمیہ سے انشراحِ صدر حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب اور دیگر خلفاے راشدین کا اپنے ساتھی علماءِ صحابہؓ سے مسائل پر تبادلہ خیالات اسی نوعیت کا تھا جسے آج کل من مانی تعبیر سے 'مجلس شوریٰ کا اجتہاد' باور کرایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظریہ کے حاملین کو حضرت ابوبکرؓ کی مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ اور جنگِ یمامہ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی بحیثیت سالارِ لشکر روانگی ایسے فیصلوں کی تاویل کرنی پڑتی ہے کہ یہ نصوصِ شرعیہ کی تعمیل تھی، حالانکہ اصل بات انشراحِ صدر کی تھی۔ مسئلہ خواہ نص کا ہو یا اجتہاد کا، اگر یہ طے شدہ شرعی اُمور ہوتے تو دیگر صحابہؓ بھی اس کے خلاف کوئی دوسرا مشورہ نہ دیتے، کیونکہ تعمیل شریعت کا جذبہ ان میں بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ہاں جب خلیفہ نے ان مسائل میں اپنا اطمینان ایک عزمِ صمیم کی صورت میں ظاہر کر دیا تو یہ صحابہؓ نہ صرف خاموش ہو گئے بلکہ اس کے فیصلہ میں ان سے بھرپور تعاون بھی کیا۔

## اطاعتِ امیر اور فقہی تقلید

چنانچہ یہاں معاملہ کی ایک دوسری نوعیت یہ بھی سامنے آتی ہے کہ خلیفہ کسی شرعی حکم کے بارے میں شرحِ صدر کے ساتھ جب کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو اُمت کو اس کی اطاعت کرنی پڑتی ہے کہ اس کی حیثیت شریعت پر عملدرآمد کرنے کرانے کی ہے۔ تاہم اگر مسئلہ میں اجتہادی اختلاف سامنے آ جائے تو خلیفہ کی ہر دو حیثیتیں الگ الگ واضح ہو جاتی ہیں۔ جس کی مثال حضرت عثمانؓ بن عفانؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے اختلاف سے دی جاسکتی ہے کہ جمع مال کے مسئلہ میں حضرت ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے تقلید پر تو مجبور نہ کیا (۲۴) لہٰذا حکم شریعت وہی باقی رکھا جس کو وہ خود برحق سمجھتے تھے۔ لیکن انتشارِ فکری کے خوف سے انہیں مقام 'ربذہ' میں بھیج دیا۔ تاہم انہیں اُن کی واضح غلطی کے باوجود رائے بدلنے پر مجبور نہیں کیا۔ واضح رہے کہ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حضرت ابوذر غفاریؓ مال جمع کرنے والوں کو بہرصورت 'کنز' کی وعید کا مستحق قرار دیتے تھے، خواہ اس مال کی زکوٰۃ بھی دی جاچکی ہو، حالانکہ اگر یہ موقف مانا جائے تو اس صورت میں مال میں زکوٰۃ اور وراثت کے کوئی معنی ہی باقی نہیں رہتے۔

دراصل خلیفہ انتظامی معاملات کو انجام دیتے ہوئے جب شرعی اُصولوں اور ہدایات کو عمل میں لاتا ہے تو اس اعتبار سے اس کی شرعی حیثیت خود شرع پر عمل درآمد کی ہوتی ہے جس میں وہ اپنے منصبی فرائض بھی انجام دیتا ہے لیکن رعایا کی حیثیت اس میں صرف اطاعتِ امیر کی ہوتی ہے۔ چونکہ بالفعل رعایا اس اجتہاد پر عمل کرتی نظر آتی ہے، لہٰذا اس کے اجتہاد کی لازمی حیثیت تقلید معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ خلیفہ اپنے اجتہاد پر عمل کرانے کے باوجود کسی عالم کو اپنے اجتہاد کے درست تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ لہٰذا علما سمیت رعایا کی بالفعل اطاعت لیکن ذہناً علماء دین کا اپنے اجتہاد پر قائم رہنا، دو الگ الگ امر ہیں۔ جن کا لحاظ رکھنے سے اطاعتِ امیر اور تقلیدِ فقہی کا فرق واضح ہوگا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان مغالطوں کی طرف بھی اشارہ کیا جائے جو جدید دانشوروں کو حضرت عمرؓ کے بعض اجتہادات کے سلسلے میں ہوتے ہیں اور جنہیں 'اولیاتِ عمرؓ' کے نام پر خلیفہ کی طرف سے شریعت کی تبدیلی کا اختیار قرار دیا جاتا ہے۔ تفصیلی مثالوں اور ان کی توضیح کا تو یہ موقع نہیں، مختصر یہ کہ ان میں سے بیشتر انتظامی اختیارات سے متعلق ہیں، جن کی تدبیر میں مصالح شرعیہ کا لحاظ رکھا گیا۔

اس بحث سے حاصل یہ ہے کہ خلافت شخصی ہو یا پارلیمنٹ کو خلافت کے قائم مقام ٹھہرایا جائے؛ اس کا تعلق صرف تدبیر وانتظام سے ہے اور قواعد وضوابط کا اختیار بھی خلیفہ یا پارلیمنٹ کو اِسی حد تک ہے۔ لیکن شریعت کے اندر اگر مداخلت ہو تو خواہ یہ تدوین کے نام سے ہو یا اجتہاد کی پابندی کے نام پر، یہ اِصْر وتقلید گوارا نہیں کی جاسکتی۔ پچھلی اُمتوں کی گمراہی کا باعث بھی یہی تھا اور افسوس یہ اُمت بھی اسی راستہ پر جارہی ہے۔

## (۴) پارلیمنٹ میں فقہی نمائندوں کی حیثیت

اس سلسلہ کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ میں مختلف فقہی نمائندوں کی حیثیت یا ماہرین قانون وشریعت کی کونسل کے اختیارات کیا ہونے چاہئیں؟

اس سلسلہ میں یہ بنیادی بات اگرچہ فیصلہ طلب ہے کہ قانون ساز پارلیمنٹ کی اسلامی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ لیکن چونکہ ہم یہ پہلے واضح کرچکے ہیں کہ اسلامی حکومت کا دستور قرآنِ کریم ہوتا ہے، جس کی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

واحد ابدی تعبیر سنتِ رسول ﷺ بھی محفوظ و مصئون موجود ہے، لہٰذا اب پارلیمنٹ کے بارے میں قانون سازی کی جو بھی بحث ہوگی، وہ قواعد وضوابط (Bye Laws) یا انسدادی اور تعزیری احکام وغیرہ تک محدود ہوگی۔ چنانچہ فی الوقت ہم اس بحث سے قطع نظر کہ پارلیمنٹ کو خلیفہ کے قائم مقام ٹھہرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ علی سبیل التنز ل پارلیمنٹ کو خلافت اور 'شوریٰ' ہی کی حیثیت دے کر گفتگو کرتے ہیں۔

اسلامی سیاست کا یہ امتیازی پہلو ہے کہ یہاں بنیادی دستور اور اس کی تعبیر کا مسئلہ بھی چودہ صدیاں قبل ہی طے پاچکا ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ کے 'خاتم النّبیین' ہونے اور آپؐ کے بعد تا قیامت کسی بھی نبی یا رسول کی گنجائش موجود نہ ہونے کی بنا پر نہ صرف اس دستور اور اس کی تعبیر کی تنسیخ کا سوال ختم ہو چکا ہے، بلکہ ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ...... الآیة﴾(۲۵) آیتِ قرآنی کے تحت اس میں ترمیم واضافہ کا جواز بھی خارج از امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تا قیامت قائم ہونے والی ہر اسلامی حکومت کا دستور خود بخود کتاب و سنت بن جاتا ہے اور جو حکومت کتاب وسنت کی دستوری حیثیت تسلیم نہیں کرتی وہ اسلامی کہلانے کی حقدار نہیں ہوتی۔

جہاں تک خلافت کے منصب کا تعلق اور ضرورت ہے تو یہ منصب حضرت محمد ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صرف اس شخصی خلا کو پُر کرنے کی حد تک محدود ہے جو تدبیر وانتظام کے میدان سے متعلق ہے۔ چنانچہ خود خلیفہ کا یہ اختیار کہ وہ انتظام وانصرام کرے اور تدبیری اقدامات بھی بجالائے، سنتِ رسولؐ سے ثابت ہے۔ تاہم خلفاے راشدینؓ کے یہ اقدامات خود شریعت نہیں ہیں، ہاں ان کی حیثیت ہمارے لئے ایک اہم تاریخی سرمایہ کی ہے۔

رسالت اور خلافت وحکومت کی اطاعت کے فرق کو صحابہ کرامؓ کس قدر ملحوظ رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ حضرت عمرؓ نے شرابی کی سزا ۸۰ کوڑے کر دی جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں چالیس درّے تھی۔(۲۶) اسی تبدیلی کی بنا پر حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت علیؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص چالیس پر، چالیس مزید کوڑے کھاتا ہوا مر گیا تو اس کا خون بہا دیا جائے گا۔ ظاہر ہے اگر یہ اقدام (سزا میں اضافہ) شریعت ہوتا تو نفاذِ حدود میں خون بہا کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اسی سلسلہ کی دوسری مثال حضرت عمرؓ کے اس حکم سے دی جاسکتی ہے جو آپؓ نے کتابیہ (یہود ونصاریٰ کی عورتوں) سے نکاح کی ممانعت کے بارے میں جاری کیا تھا اور جس پر حضرت حذیفہؓ نے عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن پھر کچھ عرصہ بعد خود ہی انہوں نے اپنی کتابیہ منکوحہ کو طلاق بھی دے دی۔ حضرت حذیفہؓ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

نے اپنے اس طرزِ عمل کی جو وضاحت پیش فرمائی، وہ درج ذیل سطور سے ظاہر ہے:

قال (عمر) للذين تزوجوا من نسآء أهل الكتاب: طلّقوهن، فطلّقوهن إلا حذيفة فقال له عمر: طلّقها قال تشهد أنها حرام؟ قال هي خمرة طلّقها قال تشهد أنها حرام؟ قال هي خمرة، قال قد علمتُ أنها خمرة ولكنها لي حلال. فلما كان بعد طلّقها فقيل له ألاَ طلّقتَها حين أمرك عمر قال كرهت أن يرى الناس أني ركبت أمرا لا ينبغي لي(۲۷)

''حضرت عمرؓ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے والوں کو حکم دیا کہ ان عورتوں کو طلاق دے دی جائے تو سوائے حضرت حذیفہؓ کے سب نے طلاق دے دی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں بار بار فرمایا کہ ''اسے (اپنی بیوی کو) طلاق دے دو۔'' حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا: ''کیا آپ اس کے حرام ہونے کی گواہی دیتے ہیں؟'' حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''وہ مدہوش کرنے والی ہے، اسے طلاق دے دیں۔'' حضرت حذیفہؓ نے دوبارہ (زور دے کر) فرمایا: کیا آپ اس کے حرام ہونے کی گواہی دیتے ہیں؟'' حضرت عمرؓ نے پھر وہی جواب دیا کہ ''وہ مدہوش کرنے والی ہے۔'' حضرت حذیفہؓ بولے: ''یہ تو میں جانتا ہوں کہ وہ مدہوش کرنے والی ہے تاہم وہ میرے لئے حلال ہے۔'' (بات ختم ہوگئی) لیکن کچھ عرصہ بعد حضرت حذیفہؓ نے از خود اسے طلاق دے دی۔ لوگوں نے پوچھا: ''آپ نے یہ طلاق اس وقت کیوں نہ دی جب حضرت عمرؓ نے آپ کو حکم دیا تھا؟'' حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا کہ ''میں اسے بُرا سمجھتا تھا کہ لوگ مجھے وہ کام کرتا دیکھیں جو (شرعی طور پر) مجھے لائق (لازم) نہ تھا۔''

ان واقعات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خلیفہ راشد بھی نہ تو شریعتِ محمدی میں تبدیلی کرسکتا ہے، نہ اپنی تعبیر شریعت ہی میں دوسروں کو پابند بنا سکتا ہے۔ پہلی مثال حدود میں تعزیر جمع کر کے بظاہر شریعت کی تبدیلی کی ہے تو دوسری مثال قرآنی حکم ﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (۲۸) کی ایسی تعبیر کی ہے جو کتابیہ عورت کو بھی شامل ہے۔ واضح رہے کہ حضرت عمرؓ نے معارضہ کے وقت اس دور کے اہل کتاب کا مشرک ہونا واضح بھی کیا تھا۔

معلوم ہوا کہ تدبیری معاملات میں انتظامی اختیارات کے علاوہ اگر اجتہادی پہلو سے شرعی احکام کا سوال سامنے آئے تو اولی الامر کی مشروط اطاعت کی بناپر، ان کے اجتہاد کی پابندی لازمی نہیں ہوتی۔ فقہا نے اطاعتِ اولی الامر والی مشہور آیتِ قرآنی کے آخری حصہ سے بھی یہ استدلال کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ ...... الآية﴾ (۲۹)

''کسی بھی معاملے میں اگر (رعایا کا باہمی یا اولی الامر سے اختلاف و) نزاع پیدا ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹا دو۔''

عربی گرامر کی رُو سے شیئ نکرہ حرفِ شرط کے تحت وارد ہوا ہے جو ایسی صورت میں عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی کوئی بھی معاملہ خواہ شرعی ہو یا اجتہادی، اگر اختلاف و نزاع کی صورت اختیار کرے تو اس کا فیصلہ کتاب وسنت سے (۳۰) ہوگا۔ گویا تدبیری معاملات میں اجتہادی پہلو کے اختلافات کو کتاب وسنت سے ہی حل کیا جائے گا۔

## پارلیمنٹ کا دائرۂ عمل مباح اُمور میں تدبیر وانتظام کی حد تک ہے!

حاصل یہ ہے کہ پارلیمنٹ کا دائرہ کار صرف مباحات تک محدود ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

''وكانت الأئمة بعد النبي ﷺ يستشيرون الأمناء من أهل العلم في الأمور المباحة ليأخذوا بأسهلها فإذا وضح الكتاب والسنة لم يتعدوه إلى غير''(۳۱)

''آپؐ کے بعد خلفا صرف مباح اُمور میں اصحابِ علم وامانت سے مشورہ لیا کرتے تھے، تاکہ آسان ترین صورت اختیار کرسکیں، لیکن اگر کتاب اللہ یا سنت رسولؐ اللہ کی وضاحت موجود ہوتی تو کسی دوسری جانب (ہرگز) نہ دیکھتے تھے۔''

اور اباحت کا بھی ایک پہلو چونکہ شرعی حکم ہونے کا ہے، اس لئے اس پر نگرانی کتاب وسنت کی رہنی چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت مشروط ہوتی ہے۔ مباح اُمور پر شریعت کی نگرانی کے لئے جنگ ِبدر کے قیدیوں کی مثال بطورِ دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ جنگی تدابیر میں اُولی الامر کو اجازت ہے کہ وہ مشورہ کے بعد کوئی سی بھی تدبیر اختیار کرلیں۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے مشورہ کے بعد اساریٰ بدر کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ لیکن قرآن مجید نے اس مباح امر میں بھی ایک شرعی حکم سے ہٹ جانے کی بنا پر سرزنش کی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عذاب دکھایا (جو اس فیصلہ کی بنا پر ہم پر مسلط ہوسکتا تھا) اور اگر وہ عذاب آجاتا تو حضرت عمرؓ (جن کا مشورہ ان قیدیوں کے قتل کا تھا) کے سوا کوئی نہ بچتا۔'' (۳۲)

اس واقعہ سے متعلق قرآن کریم میں ہے:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الآخِرَۃَ...... الایۃ﴾ (۳۳)

''نبی کی شان کے یہ لائق نہیں کہ اس کے قیدی (باقی) رہیں، یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خوں ریزی نہ کرے۔تم لوگ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ (تمہارے لئے) آخرت چاہتا ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ شوریٰ یا پارلیمنٹ میں بنیادی دستور (کتاب وسنت) کے علاوہ دوسرے اُمور ہی زیر غور کیوں نہ ہوں، کتاب وسنت کے ماہرین کی پھر بھی ضرورت ہے۔اس لئے اس بارے میں جن حضرات نے ارکانِ شوریٰ کے نمائندہ ہونے پر زور دیا ہے، تدبیری اُمور کی حد تک اس کی اہمیت تسلیم ہے، کیونکہ تدبیر وہی کامیاب ہوتی ہے جس میں تدبیر کرنے والوں کو رعایا کا اعتماد حاصل ہو...... ''وأمرھم شورٰی بینھم'' کے قرآنی حکم کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طرح اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔تاہم ان تدبیری اُمور میں شرعی احکام کی مطابقت کی جو شرط ہے، اس کے لئے ماہرین شریعت کی طرف سے نگرانی لازمی ہے۔

## حوالہ جات وحواشی

(۱) ا. اقبالؒ، علامہ محمد: تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، اُردو مترجم: سید نذیر نیازی، مکتبہ کارواں پریس، انارکلی لاہور (۱۹۵۸ء) ص ۲۴۲،۲۴۳، ۲۶۸، ۲۷۵

ب. 'اشراق'، ماہنامہ، لاہور (جون ۲۰۰۱ء) ص ۳۱،۳۲ مدیر: جاوید احمد غامدی

ج. افضال ریحان: اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، انٹرویو ناصر شمسی، مطبع دار التذکیر (۲۰۰۴ء) ص ۳۲۴،۳۲۵،۳۳۴

د. 'میثاق'، ماہنامہ لاہور (اکتوبر ۱۹۹۷ء) ص ۱۹ مدیر: ڈاکٹر اسرار احمد

ھ. یوسف گورایہ، ڈاکٹر محمد: روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱۸؍نومبر ۱۹۸۶ء

و. 'طلوعِ اسلام'، ماہنامہ لاہور (اکتوبر ۱۹۹۲ء)

ز. یوسف گورایہ، ڈاکٹر محمد: جدید اسلامی ریاست میں تعبیر شریعت کا اختیار، شیخ محمد اشرف، لاہور

(۲) 'میثاق'، ماہنامہ لاہور (اکتوبر ۱۹۹۷ء) ص ۲۵ مدیر: ڈاکٹر اسرار احمد

(۳) ا. امین احسن اصلاحی، مولانا: اسلامی قانون کی تدوین، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور (جون ۱۹۷۶ء) ص ۴۳،۴۴،۶۳

ب. خالق داد رانجھا: اسلام میں قانون سازی، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور،

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ص ۴۷،۹۴

ج. 'میثاق'، ماہنامہ لاہور (اکتوبر ۱۹۹۷ء) ص ۲۵    مدیر: ڈاکٹر اسرار احمد

(۴) 'میثاق'، ماہنامہ لاہور (ستمبر ۱۹۹۷ء) ص ۶ تا ۱۰ خصوصاً ص ۷    مدیر: ڈاکٹر اسرار احمد

(۵) ا. محمد بن ابراہیم آل الشیخ، مفتی اکبر سعودی عرب: رسالہ **تحکیم القوانین** (عربی)

اُردو ترجمہ حافظ حسن مدنی: ماہنامہ 'محدث' لاہور (اگست ۱۹۹۳ء) ص ۱۳۳ تا ۱۴۷

ب. سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی، ڈاکٹر: شرح رسالہ **تحکیم القوانین** (عربی خطاب)، اُردو ترجمہ محمد بن صدیق طابع وناشر غیر مذکور

☜ خلیجی ممالک میں **تقنین شریعت** کے موضوع پر درج ذیل دو کتابیں قابل ذکر ہیں:

ج. عبدالرحمٰن عبدالعزیز القاسم: **الاسلام وتقنين الأحكام في البلاد السعودية**، مطبعۃ المدنی، شارع عباسیہ، قاہرہ ص ۷۳ تا ۷۷

د. محمد ذکی عبدالبر، ڈاکٹر: **تقنين الفقه الإسلامي**، ادارہ احیاء التراث الاسلامی، قطر، ص ۸۳،۸۴

(۶) ا اور ب : (ایضاً)

(۷) سورۃ الاعراف/۱۵۷    (۸) سورۃ المائدۃ/۴۴

(۹) سورۃ المائدۃ/۴۵    (۱۰) سورۃ المائدۃ/۴۷

(۱۱) الذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین: کتاب تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد دکن (۱۹۵۶ء) ج ۱/ص ۲۰۹

(۱۲) ارشاد السالک، ج ۱/ص ۲۲۷

(۱۳) عبدالرحمٰن محدث مبارکپوریؒ، مولانا: مقدمہ تحفۃ الاحوذی، دار الکتاب العربی، بیروت، ص ۸۵

(۱۴) محمد ابوزہرہ: حیات امام ابوحنیفہؒ، مترجم غلام احمد حریری، ملک سنز، فیصل آباد (۱۹۸۳ء) ص ۹۷

(۱۵) ا. ابن عبدالبر: الانتقاء، ص ۴۳،۴۴

ب. ابن الجوزی: مناقب احمد بن حنبل، مطبعۃ عبدالفتاح الطّویل، قاہرہ، مصر: ص ۴۱۶ تا ۴۵۸

(۱۶) مصطفیٰ کمال وصفی، ڈاکٹر: **مصنفة النظم الاسلامية**، مکتبہ وہبہ، قاہرہ (۱۹۷۷ء) ص ۱۸۶ تا ۲۱۳

(۱۷) اسحٰق زاہد، حافظ: سعودی عرب کا دستور، اُردو ترجمہ ماہنامہ 'محدث': ج ۲۳/عدد ۲، ص ۲۱۰ تا ۲۲۵

(۱۸) فاروق اختر نجیب: سیاست وریاست، علمی کتاب خانہ، اُردو بازار، (۱۹۸۱ء) ص ۱۰۸

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

(۱۹) سورۃ النساء/۵۹　　　(۲۰) ا. ابن عبدالبر: الانتقاء، ص ۴۳، ۴۴

ب. ابن الجوزی: مناقب احمد بن حنبل، مطبعۃ عبدالفتاح الطّویل، قاہرہ، مصر: ص ۴۱۶ تا ۴۵۸

(۲۱) محمد ابوزہرہ: حیات امام ابوحنیفہؒ، مترجم غلام احمد حریری، ملک سنز، فیصل آباد (۱۹۸۳ء) ص ۹۷

(۲۲) سورۃ الانبیاء/۷　　　(۲۳) سورۃ یوسف/۷۶

(۲۴) ا. الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر: جامع البیان فی تاویل القرآن، آیت ۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۹۲ء) ج ۶/ص ۳۶۱

ب. القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری: الجامع لاحکام القرآن، مکتبہ الغزالی دمشق، ج ۸/ص ۱۲۴

(۲۵) سورۃ المائدۃ/۳

(۲۶) قلعہ جی، محمد رواس: ڈاکٹر، فقہ حضرت عمرؓ، مترجم: ساجد الرحمٰن صدیقی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور (جنوری ۱۹۹۰ء) ص ۷۷

(۲۷) ابن قدامہ حنبلی، موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد: المغنی، مطبعۃ عبدالفتاح الطّویل، قاہرہ، مصر (۱۹۹۲ء) ج ۹/ص ۵۴۶

(۲۸) سورۃ البقرۃ/۲۲۱　　　(۲۹) سورۃ النساء/۵۹

(۳۰) شنقیطی، محمد امین بن المختار: تفسیر اضواء البیان، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ (۱۹۹۲ء) ج ۱/ص ۲۹۲، ۲۹۳

(۳۱) بخاری، محمد بن اسمٰعیل: صحیح بخاری، دارالسلام، الریاض، ص ۱۵۴۴

(۳۲) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر: جامع البیان فی تاویل القرآن، دارالکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۹۲ء) ج ۶/ص ۲۹۱

(۳۳) سورۃ الانفال/۶۷

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.